بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

اسلام میں سنت نبوی کو جو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے اس سے ہر وہ شخص آشنا ہے جس نے اسلامی عقائد و عبادات اور اسلامی تہذیب و تمدن کا کچھ بھی مطالعہ کیا ہے۔ سنت کا یہ بیش قیمت ذخیرہ جو ہم تک تواتر کے ساتھ پہنچا ہے اور جس کی حفاظت و پاسبانی ہر دور میں امت کے نامور آئمہ اور صلحاء نے کی ہے، ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت ہی نہیں رکھتا بلکہ یہ ہمارا مبداء اور جوہر حیات ہے یہ اُس مقدس ذات کی پاکیزہ زندگی کا متند ریکارڈ ہے جس نے ہمیں اپنے مالک اور خالق کا شعور و احساس بخشا، ہمیں اس کے ارادہ اور منشا سے آگاہ کیا اور پھر اس کے احکام کو بالفعل دنیا میں نافذ کر کے اُن کے عملی پہلوؤں سے ہمیں پوری طرح روشناس کرایا۔ اسی بنا پر حضوؐر کی حیات طیبہ محض ایک مقدس اور تاریخی شخصیت کی داستانِ حیات نہیں بلکہ احکام ربانیؐ اور ان کے مضمرات کو سمجھنے کا ایک نہایت ہی قابلِ اعتماد ذریعہ ہے۔ آپ اگر اپنی انفرادی زندگی کا جائزہ لیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اسلام نے اس کے متعلق جو ہدایات ہمیں دی ہیں وہ نوے فیصد سنت سے ماخوذ ہیں۔ پھر سنت ہی ہماری ہیئت اجتماعی کی تشکیل میں ایک مؤثر قوت کی حیثیت سے شامل ہے۔ فرد اور جماعت کے باہمی تعلق میں، حاکم اور محکوم کے حقوق و فرائض کے تعین میں، نظامِ عدالت کے قیام میں اور نظم حکومت کے چلانے میں، الغرض انفرادی زندگی کے چھوٹے چھوٹے مسائل سے لے کر حیات اجتماعی کے بڑے بڑے مسائل تک ہمارے سامنے اسلام کا جو ہمہ گیر پروگرام موجود ہے اس میں سنت نبوی ایک مؤثر عنصر کی حیثیت سے شامل ہے۔

یہی نہیں بلکہ سنّت ہی ہمارے پاس ایک ایسا مستند ذریعہ ہے جس کی مدد سے ہم اپنے تاریخی پس منظر کو دیکھ سکتے ہیں اور پھر اس پس منظر کی روشنی میں، ماضی اور حال کی کامرانیوں اور محرومیوں کا صحیح طور پر اندازہ کر سکتے ہیں۔ اسی پس منظر نے اس ملّتِ بیضاء کو ایک ملی وجود بخشا ہے اور اسی کی حیات آفریں شعاعوں کے نور سے ہم اپنی مستقبل کی راہیں منوّر کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں اگر ہم سنّت کی ضیا پاشیوں سے ایک دفعہ محروم کر دیئے گئے تو ہمارے لیے حق و باطل اور خوب و ناخوب کے درمیان امتیاز کرنا بالکل ناممکن ہو جائے گا۔

عقائد کے علاوہ اوامر و نواہی کے جس صحت مند نظام نے ہمیں دوسری اقوام سے ممیز اور ممتاز کر رکھا ہے۔ اس کا بیشتر حصّہ ہمیں سنّتِ نبوی کے خزانہ عامرہ سے ہی حاصل ہوا ہے۔ عقائد کے مضمرات بیان کرنے میں، عبادات کی جزئیات اور ان کی عملی صورتیں متعین کرنے میں، وضو اور طہارت کے باریک سے باریک مسائل سمجھانے میں اور حلال و حرام کی حدود و قیود کی پوری پوری تفصیلات طے کرنے میں ہمیں ہر گام پر سنّت نبوی کی طرف ہی رجوع کرنا پڑتا ہے اور پھر لطف کی بات یہ ہے کہ ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی کے یہی وہ شعبے ہیں جنہیں ایک مخصوص سانچے میں ڈھالنے کی وجہ سے ہم ایک الگ قوم کی حیثیت میں دنیا میں زندہ ہیں۔ جن چیزوں کو ہمارے اس دور کے مجتہدین بیکار کی زنجیروں سے تعبیر کرتے ہوئے لوگوں کو انہیں اتار پھینکنے کا مشورہ دے رہے ہیں۔ انہوں نے ہی اس امت کے مائل بہ انتشار اجزاء کو باہم جوڑ کر اسے فکری اور عملی یک جہتی عطا کی ہے۔ آپ خود ہی غور کریں کہ اگر ہمارے سامنے اسلامی تہذیب اپنی پوری جزئیات اور تفصیلات کے ساتھ جلوہ گر نہ ہوا، ہم قرآن مجید کی تعلیمات کو بڑی آزادی کے ساتھ ہر دور کے تہذیبی سانچوں میں ڈھالتے چلے جائیں تو امتِ مسلمہ کی حیثیت سے ہمارا کیا حشر ہوگا۔ ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی کے یہ معاشرتی ڈھانچے جنہیں یہ مغرب پرست گروہ اسلاف کے بندھنوں سے تعبیر کرتا ہے۔ درحقیقت ہمارے وہ مضبوط قلعے ہیں جنہوں نے ہر دور میں ہمیں غیر اسلامی اقتدار کے طوفانوں سے محفوظ رکھا۔ ہماری زندگی نہیں

کے استحکام سے وابستہ ہے اور اگر خدانخواستہ ان قلعوں میں کوئی شگاف پیدا ہوگیا تو پھر دنیا کی کوئی طاقت اس امت کو غیروں کی دستبرد سے بچا نہ سکے گی۔

معتقدات و تصورات کا امتیاز اپنی جگہ صحیح اور درست سہی اور اس کی اہمیت بھی مسلم لیکن یہ دیکھئے کہ محض نظریات عوام کو ایک سلک میں منسلک رکھنے میں کہاں تک ممد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔ ان نظریات کی حیثیت جڑوں کی سی ہے جو دل و دماغ کی تہ میں پیٹے ہوئے کسی تہذیب و تمدن کو فکری غذا تو مہیا کرتے رہتے ہیں لیکن ایک عام انسان کے اندر اس جڑ کے وجود اور اس کی افادیت کا احساس اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب وہ اس کی پشت پر تہذیب و تمدن کا ایک خاص درخت اپنی آنکھوں سے برومند ہوتا ہوا دیکھے اور پھر اسے اس کے سایہ میں سکون حاصل کرنے کا موقع بھی فراہم ہو۔ مجرد نظریات لوگوں کے لیے کسی طرح بھی باعث کشش نہیں ہوتے۔ یہ نظریات لوگوں کی نظروں کو اسی وقت مفتوح کرتے ہیں جب انہیں اس امر کا احساس ہو کہ ان تصورات کے بطن سے ایک ایسی تہذیب معرضِ وجود میں آئے گی جو سرتاپا دوسری تہذیبوں سے ممیز ہوگی اور اگر انہیں یہ باور کرا دیا جائے کہ ان نظریات کو جنہیں تم اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتے ہو ہر قسم کی تہذیب و تمدن کو تشکیل دینے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے تو پھر ان کے دلوں سے تصورات کی امتیازی حیثیت کا نقش خود بخود محو ہونے لگے گا۔

قرآن پاک اور احادیثِ نبوی کا تعلق الفاظ و معانی کا سا تعلق ہے جس طرح کسی لفظ کے ظاہری ڈھانچہ اور اس کے مطالب و معانی کے درمیان تفریق نہیں کی جا سکتی بالکل اسی طرح قرآنی نصوص اور ارشاداتِ نبوی کو بھی ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی صورت میں ہمیں اسلامی نظامِ حیات کا مکمل خاکہ عطا کیا ہے اور اسی ذات برحق نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اس خاکہ میں اپنی ہدایت کے مطابق رنگ بھی بھروا دیئے ہیں۔ یہ رنگ بھی اسی نقشہ کا ضروری

جز رہے اور اس کی بھی دین میں اتنی ہی اہمیت ہے جتنی کہ خود خاکہ کی ہے۔ اگر مشیئت ایزدی اسلامی تہذیب و تمدّن کے اس خاکے میں ہمیں رنگ بھرنے کے معاملے میں خود مختار خیال کرتی تو پھر قرآن مجید کے ساتھ رسول اور ہادی مبعوث نہ فرماتی بلکہ ایک عدد لغات القرآن نازل کرتی تاکہ غیر عرب قومیں اس کے منشا کو بآسانی سمجھ سکیں۔

قرآن کی تبیین کے لیے ایک جلیل القدر نبیؐ کا انتخاب اس بات کی واضح شہادت ہے کہ یہاں اصل معاملہ مشکل الفاظ کی تشریح و تاویل کا نہیں بلکہ خالق و مالک کے ارادہ کو دنیا میں نافذ کرنے کا ہے۔ بلند و بالا ذات جس نے وحی کے ذریعہ اپنے نبیؐ کو قرآن مجید جیسی لاثانی اور غیر فانی کتاب عطا کی اسی ذات نے ہی اس مقدّس انسان کے سپرد اس کی تشریح و تفسیر کا کام بھی کیا۔ قرآن مجید اور سنّتِ نبوی دونوں کا ماخذ اور سرچشمہ ایک ہی ہے۔ پھر امت کی جن مقدر ہستیوں کی وساطت سے ہم تک کلامِ ربّانی پہنچا ہے، انہیں مقدر شخصیتوں کی کوششوں سے سنّت نبوی کا ذخیرہ جمع ہوا ہے اور انہیں کے محتاط ہاتھوں سے یہ خزانہ نَسلاً بعدَ نَسلٍ ہم تک منتقل ہوتا چلا آیا ہے

اس کے علاوہ سنّتِ نبوی ہمارے پاس ایک ایسا مستند ریکارڈ ہے جس میں ہم اپنی تاریخ کے آئیڈیل دور کی اصل تصویر دیکھ سکتے ہیں۔ حضور سرورِ دوعالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خلوت اور جلوت کی مصروفیات، رنج و مسرت کے وقت آپ کا ردِّ عمل، اشتعال میں آپ کا ضبطِ نفس، دوستوں اور دشمنوں سے آپ کا سلوک، ایک قاضی کی حیثیت سے آپ کے فیصلے اور ایک جرنیل کی حیثیت سے آپ کی جنگی تدبیریں اور احکام۔ الغرض سرورِ کائنات کی پر شکوہ اور پر کشش ذات کے سارے تابناک گوشے جن کی متابعت کو قرآن نے ہمارے لیے شرطِ ایمان قرار دیا ہے، احادیث کے مجموعوں ہی سے ہمارے سامنے آتے ہیں۔ پھر حضورؐ نے جس معاشرہ کی تشکیل کی اور اُس میں جن جن حضرات نے نمایاں اور اہم حصہ لیا ان کی جیتی جاگتی تصویریں ہمیں احادیث کے ذخیرے سے ہی فراہم ہوئی ہیں۔ اگر احادیث کے یہ مجموعے جنہیں آج منکرینِ حدیث عجمی سازش کہہ کر درباہرد کرنے کے درپے ہیں

ہمارے ہاں موجود نہ ہوتے تو ہم اس سیدِ دور کی کوئی جھلک نہ دیکھ پاتے۔

ہماری ملی روایات، جو ہمارے لیے جسم و جان کی سی اہمیت رکھتی ہیں اور جن کی وجہ سے ہمارے اندر زندگی کی حرارت اور ولولہ اور اپنی قوتوں اور صلاحیتوں کو ایک راہ پر لگانے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ بھی ساری کی ساری سنّتِ نبوی سے عبارت ہیں۔ دوسری اقوام کے ہاں وہ سارے افعال جنہیں لیل و نہار کی گردشیں مٹانے میں ناکام ثابت ہوں۔ روایات کا روپ دھار لیتے ہیں۔ صرف وقت ہی انہیں خلعتِ تقدیس پہنا دیتا ہے۔ ان کے برعکس امتِ مسلمہ کے ہاں جو روایات پروان چڑھی ہیں وہ تقدیس کے لیے مرورِ ایام کے رحم و کرم کی دست نگر نہیں بلکہ حضور سرورِ دوعالم کی تصدیق و تصویب کی محتاج ہیں۔ حضورؐ نے جن باتوں پر پسندیدگی کا اظہار فرما دیا وہی ہماری ملی روایات قرار پائیں اور پوری امت نے پھر انہیں اپنانے کی کوشش کی۔ ہمارے دلوں میں اپنی روایات کے متعلق ایک غیر معمولی جذبہ احترام موجود ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ ان کا تعلق ماضی سے ہے بلکہ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ حضور سرورِ کائنات کی بارگاہ اقدس سے انہیں پسندیدگی کی سند عطا ہو چکی ہے۔ پھر انہیں مقدّس روایات کے مقدّس رشتوں نے ہمیں اپنے ماضی سے وابستہ کر رکھا ہے ہمارے اندر جو یہ احساسِ تسلسل کے ساتھ موجود رہا ہے کہ امتِ مسلمہ ہی اس کرہ ارضی پر ایک ایسی قوم ہے جو اخلاق کے سہارے جینے کا عزم رکھتی ہے۔ اور اسی کے مطابق دنیا کا نظم و نسق چلانے کی متمنی ہے، تو اس کی تہ میں بھی حضور سرورِ دوعالم اور آپ کے رفقاءِ کار کی محبت و عقیدت کا جذبہ کار فرما ہے۔ اور اگر یہ جذبہ دلوں سے محو ہو جائے تو پھر ایک خوفناک ذہنی اور عملی انتشار کا شکار ہوں گے۔

اسے ہماری بدنصیبی کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ ہماری ملّت کا تجدّد پسند طبقہ سنّتِ نبوی کو، جس کی حیثیت ہماری شاہ رگ کی سی ہے، بالکل کاٹ دینے پر تلا ہوا ہے۔ وہ ایک لگے

بندھے منصوبے کے تحت اس امر کا التزام کر رہا ہے کہ کسی طرح مسلم قوم کے دل سے احکام رسول کی حجیّت کا احساس مٹا دیا جائے کیوں کہ وہ اس حقیقت سے پوری طرح واقف ہے کہ جب تک اس قوم کے دل و دماغ میں احادیث نبوی سے وابستگی موجود رہے گی وہ قرآن پاک کی من مانی تاویلات کرنے میں کبھی بھی کامیاب نہ ہو سکے گا۔ اس طبقہ کے افراد دین کے اندر مغربی افکار و نظریات سے مرعوب و مغلوب ہو کر جس قسم کی تحریف کرنا چاہتے ہیں اس راہ میں احادیث کو بہت بڑی رکاوٹ سمجھتے ہیں۔ اس لیے انھوں نے اس بات کا عزم بالجزم کر لیا ہے کہ پہلے ان مقدس مجموعوں کو عجمی سازشیں کہہ کر عوام کے دلوں میں ان کے متعلق معاندانہ جذبات پیدا کیے جائیں اور اگر وہ اس پہلی منزل پر کامیاب ہو گئے تو اس کے بعد کی منازل میں انہیں کوئی دقت پیش نہ آئے گی۔ تحریف دین کے سارے راستے پھر خود بخود کھلتے چلے جائیں گے۔ تاریخ کے دوسرے حادثات کی طرح یہ بھی ایک بہت بڑا المیہ ہے کہ جس ناپاک مہم میں غیر مسلم مستشرقین حکومتوں اور ریاستوں کی تائید کے باوجود ناکام رہے، اس مہم کو آج خود مسلمانوں کا ایک طبقہ سر کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا ہے اور اس کے لیے اسلحہ بھی دشمنانِ دین کے اسلحہ خانہ سے فراہم کیا گیا ہے۔

اس قسم کی احمقانہ حرکات کرنے والوں سے تاریخ کا کبھی کوئی دور خالی نہیں رہا۔ ہر عہد میں کچھ سرپھرے لوگ ایسے پیدا ہوتے رہے ہیں جنہوں نے احادیث کے متعلق لوگوں کے اندر مختلف قسم کے شکوک و شبہات پیدا کیے مگر آج سے پہلے اس قسم کے سرپھروں کو اس بات کی کبھی جسارت نہ پیدا ہوئی تھی کہ وہ احادیث کے خلاف اپنے ان وساوس کو کسی تحریک کی شکل دے دیں۔ ہمارے اس دور کی دوسری بدبختیوں کے علاوہ یہ بھی ایک بہت بڑی بدبختی ہے کہ آج فتنۂ انکارِ حدیث ایک منظم تحریک کی صورت اختیار کر رہا ہے اور اس کی پشت پناہی بعض وہ لوگ کر رہے ہیں جن پر اس فتنے کے سدباب کی ذمہ داری عائد ہوتی تھی۔ یہ زہر جس

رفتار کے ساتھ ہماری نوخیز نسلوں کے اندر "قرآنی افکار" کے نام سے سرایت کرتا چلا جا رہا ہے وہ حد درجہ تشویش ناک ہے۔ یہ وقت ہے کہ ہم آنکھیں کھولیں اور اس فتنہ کو جلد از جلد دبانے کی فکر کریں۔ اگر اسے خدانخواستہ امت کے اندر راہ پانے کا موقع فراہم ہو گیا تو پھر ہمیں الحاد و زندقہ سے کوئی چیز محفوظ نہ رکھ سکے گی۔ اس معاملے میں ہمارا تساہل ایک مجرمانہ تغافل کے ہم معنی ہے۔

اسی احساس کے پیش نظر ہم نے اگلے ماہ یعنی ستمبر میں ترجمان القرآن کا ایک خاص نمبر شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس نمبر میں مخدومی مولٰینا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے حدیث کے متعلق بعض دیگر گراں قدر مقالات کے علاوہ دو خاص مضامین بھی شامل ہوں گے۔ ایک ڈاکٹر عبدالودود صاحب کا آخری خط اور مولانا محترم کا جواب۔ دوسرا مغربی پاکستان ہائی کورٹ کے فاضل جج جسٹس محمد شفیع کی اُن آراء پر تبصرہ جو موصوف نے سنّت و فقہ کے بارے میں ایک مقدمہ کا فیصلہ کرتے ہوئے ظاہر کی ہیں۔ فتنہ انکار حدیث کے علم برداروں نے ڈاکٹر صاحب اور جسٹس موصوف کے خیالات کی جس وسیع پیمانے پر اشاعت کی ہے اس سے اُن کے عزائم کا کچھ اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ جب سے یہ مہم شروع ہوئی ہے اسی وقت سے لوگ اس بات کا مسلسل تقاضا کر رہے ہیں کہ مولانا محترم ان حضرات کے اٹھائے ہوئے سوالات کا جواب دیں۔ اس راہ میں بہت سی مشکلات حائل رہیں مگر مولانا نے حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے اپنی بے پناہ مصروفیات کے ہجوم میں سے وقت نکال کر ان پر سیر حاصل تبصرہ فرمایا ہے اس نمبر کی اہمیت کے پیش نظر ہم حامیانِ سنّت نبوی سے اس بات کی بجا طور پر توقع رکھتے ہیں کہ وہ اس نمبر کی اشاعت میں پوری پوری دلچسپی لیں گے۔ یہ نمبر غالباً ساڑھے تین سو صفحات پر مشتمل ہو گا اور آفسٹ پر شائع ہو گا۔